© rasailojaraid.com

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

فقرِ غیور کا پیکر، جاں فروش مجاہد

یہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے۔ لدھیانہ کے کھلے میدان میں ہزاروں کا مجمع بت بنا بیٹھا ہے۔ اور ایک درویش منش انسان اسٹیج پر بیٹھا مائک اور لاؤڈ اسپیکر سے بے نیاز بلند پاٹ دار آواز میں تقریر کر رہا ہے۔ روشن فراخ چہرہ، موٹی چمکدار آنکھیں، سیاہ گھنی داڑھی اور کندھوں کو چھوتے ہوئے گیسو، دیسی کھدر میں ملبوس وجیہہ و شکیل اور بارعب شخص ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھامے، زبان و فکر کا خزانہ لٹا رہا ہے۔ انداز اتنا دلکش اور مسحور کن ہے کہ یوں لگتا ہے ساری فضا پر جادو کر دیا گیا ہے۔ لوگ کبھی روتے ہیں کبھی ہنستے اور کبھی وجد کرتے ہیں۔ اسٹیج سے ذرا ہٹ کر مقامی تھانے کا انچارج بیٹھا ہے۔ وہ جلسے کی رپورٹ لکھنے اور اگر ضرورت پڑے تو مقرر کو گرفتار کرنے آیا ہے مگر آنکھیں حیران ہیں کہ وہ بھی دیگر سامعین کی طرح مبہوت بیٹھا سر دھن رہا ہے۔ اور جونہی تقریر ختم ہوتی ہے پیٹی اتار کر اپنے ساتھیوں کے حوالے کرتا ہے۔ استعفیٰ لکھ کر نوکری پر لات مارتا اور مقرر کے قدموں میں جا بیٹھتا ہے اور پھر ساری عمر یہیں گزار دیتا ہے۔ تھانیدار کا نام چودھری افضل حق ہے۔

یہ ۱۹۳۰ء کا اواخر ہے یہی درویش صفت ڈم ڈم جیل (بنگال) میں مقید ہے ایک اعلیٰ انگریز حاکم معائنے کے لئے آتا ہے اور اس سے مخاطب ہوتا ہے۔

"کہیئے کیا حال ہے آپ کا؟"

"اللہ کا شکر ہے" بے نیازانہ جواب ملتا ہے۔

"کوئی سوال؟" بااختیار حاکم دوبارہ پوچھتا ہے۔

"میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ کوئی خدمت ہو تو بتائیں"

درویش سر اٹھاتا ہے اور پوری متانت اور سنجیدگی سے جواب دیتا ہے۔

"ہاں آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے"۔

حاکم خاموش ہو کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

یہی عجیب و غریب شخص ایک مرتبہ بہاولپور پہنچتا ہے۔ نواب صاحب کو معلوم ہوا تو اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے اس کے پاس بھیجا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جواب ملا۔ "فقیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتے" پھر ہنس کر کہا "اب تو میں یوں بھی اس ریاست میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوں۔ یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ مہمان کی عزت افزائی میں پیش قدمی کرے۔" سیکرٹری واپس چلا گیا۔ اگلے دن نواب صاحب بنفس نفیس ملنے آئے اور دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مہمان" نے نہایت بے نیازی سے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا جواب تھا "فقیر کو اللہ کے فضل و کرم سے صبح و شام دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں۔"

اور یہ منظر مئی ۱۹۵۸ء کا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

یہی فقیر منش انسان ملتان کے ایک کچے مکان میں مقیم ہے۔ بڑھاپا بھی ہے اور افلاس بھی۔ اس عالم میں صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا ملتان آتے ہیں۔ گیلانیوں کے ہاں دعوت ہے سکندر مرزا ایک صاحب کو اس فقیر کے پاس بھیجتے ہیں۔ پیش کش یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے آجائیں۔ منہ مانگی خواہش پوری ہو گی۔ مگر یہاں اب بھی وہی جواب ہے۔

"میرا اسکندر مرزا کے پاس جانا، علم اور فقیری کی توہین ہے اسکندر مرزا میرے جھونپڑے میں آجائیں تو انکی بھی عزت ہے اور میری بھی لیکن میں ان کے پاس جا کر اپنی عمر بھر کی کمائی غارت نہیں کرنا چاہتا۔"

ایلچی جس کا نام مظفر علی شمسی ہے خاموش لوٹ آتا ہے۔

اس درویش خدا مست اور فقیر غیور کے پیکر کا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہے جو بیسویں صدی عیسوی میں قرون اولیٰ کی لازوال اور تابندہ خصوصیات کے حامل تھے۔ بے مثال خطیب، عالم دین، شاعر، نعت گو، سیاستدان، مبلغ اور مصلح اور جانفروش مجاہد، خالق اکبر نے کتنی ہی خوبیاں بیک وقت ان میں جمع کر دی تھیں اور انہی کی بناء پر اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور فقیہہ علامہ انور شاہ کاشمیری نے انہیں امیر شریعت کے معزز لقب سے آراستہ فرمایا۔ شاہ جی نے جب میدان سیاست میں قدم رکھا اس وقت انگریزی سامراج اپنے سارے غرور اور نخوت سمیت ہندوستانیوں کی غیرت سے کھیل رہا تھا۔ جب کہ پنجاب کا مسلمان سارے خطرات سے بے نیاز آنکھیں بند کئے بے حسی کی نیند سو رہا تھا۔ ہندو مسلمانوں کا معاشی استحصال بھی کر رہا تھا اور سیاسی میدان میں آگے بڑھنے کی سازشیں بھی۔ مگر پنجاب کا جاگیر دار اور مالدار طبقہ انگریز پرستی کی افیون میں مست عوام کو تھپک تھپک کر سلا رہا تھا۔ مذہب کے محاذ پر بھی گرد اڑ رہی تھی اور نہ صرف انگریزوں کی ساختہ و پرداختہ نبوت اپنے عزائم سمیت لوگوں کے دین و ایمان پر شب خون مار رہی تھی بلکہ عام مسلمانوں کی جہالت اور سادہ لوحی سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا رہے تھے جو مذہب کو مادہ پرستی و دنیاداری کے حصول کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے کتنے ہی محاذ تھے جن پر شاہ جی ڈٹ گئے اور ایک ایک کر کے ساری منفی اور اسلام دشمن طاقتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ یہ شاہ جی ہی تھے جنہوں نے اہل پنجاب کے دل سے انگریز کا خوف دور کیا اور انہیں آزادی کے راستے پر لگایا۔ بد قسمتی سے وہ تحریک پاکستان کی حمایت نہ کر سکے مگر اس سے ان کی عظمت میں چنداں فرق نہیں آتا کہ پاکستان کے لئے زمین ان جیسے مردان قلندر نے ہموار کی تھی اور اگر وہ سر بکف ہو کر انگریز کا مقابلہ نہ کرتے اور اس مقصد کے لئے سالہا سال تک قید و بند کی صعوبتیں نہ جھیلتے تو پاکستان کی تحریک کبھی اس شدت سے نہ اٹھتی اور بار آور بھی نہ ہوتی۔

حضرت بخاری یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) کی چاند رات پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ننھیال والوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرف الدین احمد نام رکھا جبکہ دودھیال کی طرف سے عطاء اللہ کے نام سے موسوم ہوئے اور بعد میں اسی نام سے شہرت اور عزت پائی۔ والد کا نام سید ضیاء الدین احمد تھا جن کا سلسلہ نسب ۳۶ ویں پشت میں حضرت امام حسنؓ سے جا ملتا ہے۔ ان کے ایک بزرگ سید عبدالغفار بخاری اپنے والد کے ہمراہ بخارا سے کشمیر میں وارد ہوئے اور چونکہ اس وقت کشمیر میں مسلمانوں کی فرماں روائی تھی اس لئے اپنے علم و تدبر کی بدولت درس و قضا کے منصب سے نوازے گئے۔ انہی شاہ صاحب کی اولاد گجرات اور امرتسر میں آباد ہو گئی بعد میں کچھ لوگ بیعت و ارشاد کے سلسلے میں پٹنہ چلے گئے اور لوگوں کی عقیدت مندی کے باعث وہیں سکونت اختیار کر لی۔ سید ضیاء الدین احمد حافظ قرآن تھے اور انہوں نے اپنی کمسنی کے دوران مسجد خواجہ عنبر میں ایک ہی رکعت میں قرآن پاک کے ۲۹ پارے سنا کر مقتدیوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

شاہ جی کی والدہ سیدہ فاطمہ اندرابی پٹنہ کے ایک نامور حکیم اور نامور عالم دین کی صاحبزادی تھیں اور نسبت کے اعتبار سے حضرت خواجہ باقی باللہ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ یوں وہ ہر اعتبار سے نجیب الطرفین سید تھے اور علم و تقویٰ اور فقر و استغناء انہیں وراثت میں ملے تھے۔

شاہ جی کی عمر محض چار برس کی تھی جب ان کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔ نانی اماں نے انہیں آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے کسی دینی مدرسے سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز نہ کیا۔ انگریزی سکول میں داخلے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ وہ جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہاں انگریزی استعمار سے نفرت جزو ایمان تھی چنانچہ موصوف ان مادر زاد عبقری شخصیتوں میں سے ہیں جن کی تربیت خود مبداء فیاض کرتا ہے گھر ہی پر عربی و فارسی کی مروجہ کتابیں پڑھیں۔ البتہ امرتسر کی سکونت اختیار کی تو وہاں مولانا نور احمد سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھتے رہے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے فقہ اور حضرت مفتی محمد حسن سے مسلم شریف سے بخاری شریف تک کا درس لیا۔ (بعض کتب کے اسباق جیل میں حضرت مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ سے پڑھے) قرآن پاک والد نے حفظ کرایا۔ قرأت کا فن کویت کے ایک قاری سید محمد عمر عاصم سے حاصل کیا۔ قاری صاحب سلطان ترکی خلیفہ عبدالمجید کے نواسوں کے اتالیق تھے کسی وجہ سے زیر عتاب ٹھہرے تو ہندوستان چلے آئے اور پٹنہ میں قیام کیا۔ یہاں خواجہ عنبر کی مسجد میں قرآن پڑھانے لگے۔ غضب کے خوش الحان تھے۔ تلاوت کرتے تو مسجد کے دروازے پر مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھیڑ لگ جاتی۔ شاہ جی ابھی نوعمر تھے۔ ایک روز قاری صاحب کی نقل کرتے ہوئے قرآن پڑھ رہے تھے کہ ان کی نظروں میں آ گئے اور پھر قاری صاحب نے اس فن میں ان کی خصوصی تربیت کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب شاہ جی قرآن پڑھتے تو فضا پر سحر کا عالم طاری ہو جاتا اور ہندو سکھ بھی فرمائش کر کے قرآن سننے کا تقاضا کرتے۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ عمر بیس سال سے متجاوز تھی پٹنہ سے امرتسر آ گئے جہاں ان کے اعزاء رہتے تھے۔ یہیں کچھ دینی تعلیم حاصل کی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی رہنمائی میں خطابت کا فن سیکھا۔ پہلی تقریر اندرون گلوالی دروازہ بازار کٹھاراں میں ہوئی۔ دوسری تقریر کے لئے ایک صاحب انہیں نواحی گاؤں سلطان ونڈ لے گئے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں بہت جلد شاہ جی کی خطابت اور تلاوت قرآن کی شہرت اور خوشبو پھیلنے لگی۔ خصوصاً تلاوت قرآن کا انداز بے حد مقبول ہوا اور لوگ بڑے اشتیاق سے انہیں جلسوں میں بلانے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی استبداد پوری قہرمانیوں کے ساتھ ہندوستان پر حکمران تھا مگر خوف و ہراس کے باوجود غیرت و حمیت کی چنگاریاں بھی سلگنے لگی تھیں۔ خصوصاً علی برادران نے انگریزوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اور دلوں میں کچھ کر گزرنے کا ولولہ کروٹیں لینے لگا تھا۔ یہی وہ ایام تھے جب پہلی عالمی جنگ جیتنے کے بعد انگریزوں کا غرور ساری اخلاقی حدود پھلاند کر ہندوستانی عوام سے غیر انسانی سلوک پر تل گیا تھا۔ چنانچہ اپریل ۱۹۱۹ء میں ایک احتجاجی جلوس امرتسر میں ریلوے کے بڑے پل سے گزر رہا تھا کہ انگریز سپاہیوں نے گولی چلادی جس سے چھ مقامی باشندے ہلاک ہوگئے دوسرے روز بعض سرکردہ مقامی رہنما گرفتار کر لئے گئے جس کے نتیجے میں ۱۳ اپریل کو امرتسر کے لوگ جلیانوالہ باغ میں جمع ہوئے یہ احتجاجی جلسہ ہزاروں نفوس پر مشتمل تھا اور پرامن۔ مگر جنرل ڈائر نے اندھا دھند گولی چلوادی۔ پانچ سو ہندو اور مسلمان ہلاک ہوئے زخمیوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس وحشت ناک کارروائی نے ہندوستان بھر میں آگ لگادی اور انگریز کے خلاف نفرت عروج پر پہنچ گئی۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی تینوں بڑی جماعتوں نیشنل کانگریس مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس نے امرتسر میں سالانہ جلسے منعقد کئے۔ اسی پلیٹ فارم پر مولانا شوکت علی کی صدارت میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی پہلی معرکتہ الآرا سیاسی تقریر کی اس تقریر کی اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ تحریک خلافت کے لئے دس لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع ہوگئی مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار میں ان کی بے حد تعریف فرمائی۔

امرتسر سے باہر پہلی مرتبہ فروری ۱۹۲۱ء میں کلکتہ میں تشریف لے گئے جہاں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ وہاں مولانا ابوالکلام آزاد کی تجویز کردہ ترک موالات کی تائید میں ایک پرشکوہ تقریر کی جس سے انکی خطابت کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ صف اول کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔

انہیں دنوں شاہ جی نے گجرات (پنجاب) میں آزاد ہائی سکول قائم کیا جس کا افتتاح مولانا آزاد نے کیا۔ ساتھ ہی ضلع بھر میں خلافت کمیٹیاں قائم کیں اور جگہ جگہ تقریریں کر کے عوام میں انگریز اور غلامی کے خلاف آگ لگادی۔ آخر کار ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء کو آدھی رات کے وقت انہیں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور ۸ اپریل کو امرتسر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تین سال کی قید بامشقت سنادی اس میں تین ماہ قید تنہائی کے تھے۔ اس قید نے شاہ جی کو انگریزی حکومت کا مستقل باغی بنا دیا اور وہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء تک برطانوی استعمار کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ اس دوران تقریباً دس ہزار تقریریں کیں اور انگریزی حکومت کی بیخ کنی میں ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔

اسیری کی یہ مدت تھوڑا عرصہ لاہور سنٹرل جیل میں اور باقی میانوالی جیل میں گزری جو خراب آب و ہوا اور گرمی کی وجہ سے اس زمانے میں پنجاب کا "کالا پانی" کہلاتی تھی مگر شاہ جی نے اس آزمائش کا مقابلہ بڑے حوصلے اور خندہ روئی سے کیا عموماً قرآن کی تلاوت جاری رکھتے اور چونکہ بہت سے دیگر ہندو اور مسلم رہنما بھی یہیں رکھے گئے تھے اس لئے گاہے گاہے مشاعروں، قوالیوں اور علمی مباحثوں کی محفلیں بھی برپا ہوتیں۔ قید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوران ہی آزاد ہائی سکول ختم ہو گیا۔ ترک موالات کا خود گاندھی نے گلا گھونٹ دیا اور خلافت کی تحریک کمال اتاترک کے تنسیخ خلافت سے دم توڑ گئی شاہ جی نے یہ ساری خبریں سنیں اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو رہا ہو کر گھر آئے تو وطن کا نقشہ بگڑا ہوا پایا۔ ہندو مسلم اتحاد کا دور لد چکا تھا۔ دونوں قوموں کے درمیان مناقشت اور افتراق کے جراثیم پھیل چکے تھے اور انگریزوں کی شہ پر سوامی شردھانند نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع کر دی تھی۔ شاہ جی نے ایک طرف جہاں شدھی کے زہر کو دور کرنے اور مسلمانوں کا ایمان محفوظ رکھنے کی سعی کی وہاں دوسری جانب انگریزی سازشوں کے تار و پود بکھیرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ زچ ہو کر انہیں جنوری ۱۹۲۵ء میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ شاہ جی نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا اور مقدمے کی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لیا۔ عدالت نے چھے ماہ قید بامشقت یا پانچ سو روپے جرمانے کی سزا دی۔

جرمانے کی رقم عقیدت مندوں نے جمع کرا دی شاہ جی رہا ہو گئے مگر جرمانے کی ادائیگی پر سخت خفا تھے۔ انہیں گلہ تھا کہ لوگوں نے اپنی حلال کی کمائی فرنگی خزانے میں کیوں دی۔؟

اس مقدمے سے فارغ ہو کر شاہ جی نے خطابت کی ساری صلاحیتیں شدھی کے ازالے کے لئے صرف کر دیں اور ہزاروں مسلمانوں کو کفر کی تاریکیوں میں غرق ہونے سے بچا لیا۔ مگر افسوس اسی زمانے میں جزیرہ نمائے عرب میں سعودی اقتدار کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے مثبت یا منفی طور پر سارے ہندوستانی مسلمانوں کو متاثر کیا سید بخاری سعودیوں کے حامی تھے اور ان کی کارروائیوں کو قرآن و سنت کی رو سے حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ یہی وہ دور تھا جب پنجاب کے بہت سے سرکردہ پیران کرام نے سعودیوں کی مخالفت میں پنجاب کے انگریز گورنر سر مائیکل ایڈوائر کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور سپاسنامہ پیش کیا جس میں انگریزوں کی ملمع و ثناء، انگریزی راج کی برکات و فیوض اور سلطنت برطانیہ کی تعریف و خوشامد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی آج بھی اس سپاسنامے کی عبارت پڑھ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ شاہ جی کو خبر ملی تو ملتان تشریف لے گئے کہ پیر حضرات کی اکثریت اسی علاقے سے تعلق رکھتی تھی اور لانگے خاں کے باغ میں تین روز تک خطاب فرمایا۔ دردمندی، غیرت دینی اور خطابت کا انداز ملاحظہ ہو۔

"اگر میں ابن سعود کی حمایت کروں تو کافر اور تم ترکوں کے قتل پر دستخط کرو تو مومن؟ تم فتح بغداد پر چراغاں کرو تو مسلمان اور فرنگی سے آزادی کے لئے لڑوں تو مجرم۔ تمہارے تعویذ تمہاری دعائیں کافر کی فتح کی آرزومند ہیں اور میں سلطنت برطانیہ کی بنیادیں اکھاڑنے کے درپے ہوں۔ تم نے انسانوں سے زیادہ کتوں اور سوروں کی قدر کی اور گناہ کو ثواب کا درجہ دیا۔ تمہاری قبائیں خون مسلم سے داغدار ہیں"

اسی تقریر کے آخر میں فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس باغ کے گل بوٹے آگاہ رہیں کہ میں نے تین دن کی مسلسل تقریروں سے باغبان قوم و وطن کے فریب سے بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیا ہے۔ باغ کی روش روش میری گفتگو کو اپنے مستقبل کے دامن میں محفوظ کر لے شاید قیامت کے دن میں اپنی نجات کے لئے ان سے گواہی طلب کروں۔ اے باد بہاری کے خوشگوار جھونکو! شہادت دینا کہ میں نے اہل ملتان کے سامنے حق و باطل کے درمیان دیوار کی نشاندہی کر دی ہے۔"

شاہ جی اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ اللہ نے انہیں لحنِ داؤدی عطا کیا تھا۔ قرآن پڑھتے تو سامعین دم بخود رہ جاتے اور تقریر کرتے تو گویا گلستان کھل جاتا۔ خاص انداز اور ترنم سے برمحل شعر پڑھتے تو سامعین پھڑک جاتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ عشاء کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوتی اور صبح کی اذان تک جاری رہتی۔ یوں معلوم ہوتا جیسے مجمع زنجیروں سے بندھا بیٹھا ہے اکتا کر اٹھ بیٹھنا تو دور کی بات ہے کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سامعین پر مقرر نے جادو کر دیا ہے۔ اکثر ایسا ہوا مخالفین یہ ارادہ لے کر ان کے جلسوں میں آتے کہ آج ضرور گڑبڑ کریں گے مگر شاہ جی کی خطابت کا سحر انہیں دنیا و مافیہا سے ایسا بے خبر کرتا کہ جب کسی مسئلے پر ہاتھ اٹھانے کو کہتے تو یہ مخالفین بھی بے اختیار ہاتھ اٹھا دیتے۔ شاہ جی کی اس طلسم کاری کے بارے میں خان غلام محمد خاں لونڈ خوڑ کی روایت بڑی دلچسپ ہے ان کا کہنا ہے میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا تھا نہ انکا معتقد تھا میرا سیاسی مسلک بھی ان سے مختلف تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازے کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے میں بڑے ضروری کام کے سلسلے میں جا رہا تھا مگر اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی دھوم ہے اسے پانچ منٹ سن لینا چاہیئے۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسے میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ خود اپنے جلسے بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔ میں پانچ منٹ تک ان کی تقریر سنتا رہا پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں تقریر کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا۔ ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی۔ شاہ جی نے تقریر کے خاتمے کا اعلان کیا تو خیال آیا کہ او ہو ساری رات ختم ہو گئی۔ تب پتہ چلا یہ شخص تقریر نہیں کرتا جادو کرتا ہے۔

انگریز کے بعد شاہ جی کو سب سے زیادہ نفرت قادیانیوں سے تھی۔ وہ بجا طور پر انہیں انگریزوں کا خود کاشتہ پودا سمجھتے اور اسلام کے خلاف انگریزی استعمار کی سازش قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اس فرقہ باطلہ کے استیصال کے لئے انہوں نے تقریری محاذ پر جتنا کام کیا قادیانیت کے خلاف مزاحمت کی پوری تحریک میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دراصل یہ شاہ جی ہی تھے جنہوں نے قادیانی عزائم سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے اس فتنے کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی اور الیاس برنی مرحوم نے قادیانیت پر معرکت الآرا کتاب لکھی۔

۱۹۲۶ء کا پورا سال بہت مصروف گزرا اور بیک وقت انگریز، ہندو، قادیانی اور پنجاب کے انگریز پرست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروں کے خلاف انکا جہاد جاری رہا۔ ایک چو مکھی جنگ تھی جس میں وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ شاید ہی کوئی دن گزرتا تھا کہ وہ باطل کی ان قوتوں کے خلاف نبرد آزما نہ رہے ہوں۔

یہی وہ ایام تھے جب بعض دریدہ دہن ہندو مصنفین۔ نے جناب رسالت مآب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہایت سوقیانہ زبان میں الزام تراشی کی مہاشہ راج پال ایسے ہی بد بخت لوگوں میں سے تھا۔ اس نے نبی کریم کے خلاف ایک زہریلی کتاب لکھی مسلمانوں کی شکایت پر مصنف کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے خلاف مقدمہ چلا۔ مگر لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس دلیپ سنگھ نے بری کر دیا۔ مسلمانوں میں زبردست ہیجان پیدا ہوا۔ انہوں نے باغ بیرون دہلی دروازہ میں جلسہ کرنا چاہا۔ مگر لاہور کے ڈپٹی کمشنر نے دفعہ ۱۴۴ لگا دی۔ شاہ جی نے شاہ محمد غوث کے مقابل احاطہ عبدالرحیم میں جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ۴ جولائی ۱۹۲۷ء کو اس عظیم الشان اور تاریخی جلسے کی صدارت چودھری افضل حق نے کی جبکہ اسٹیج پر خواجہ غازی عبدالرحمن، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی کے درد و سوز کا عجیب عالم تھا۔ لہجے میں تڑپ بھی تھی اور للکار بھی۔

"آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزو ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرے میں ہے آج اس جلیل المرتبت ہستی کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔

آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی کے دروازے پر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آئیں اور فرمایا ہم تمہاری مائیں ہیں تمہیں معلوم نہیں کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں ارے دیکھو! عائشہ صدیقہ دروازے پر تو کھڑی نہیں (یہ جملہ اس جلال و غضب اور سوز و درد سے ادا کیا کہ حاضرین کی نگاہیں بے ساختہ دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ ہجوم میں کہرام مچ گیا۔ سامعین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) تمہاری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہ اور عائشہ پریشان ہیں بتاؤ تمہارے دلوں میں امہات المومنین کے لئے کوئی جگہ ہے۔۔۔۔۔۔۔ اگر تم خدیجہ و عائشہ (رضی اللہ عنھم) کے ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہ ہو گی یاد رکھو یہ موت آئے گی تو پیام حیات لے کر آئے گی۔"

اس تقریر نے سینوں میں آگ بھر دی۔ مجمع میں ایک حشر بپا تھا۔ شاہ جی کی تحریک پر لوگوں کے جتھے دیوانہ وار باغ دہلی دروازہ جلسہ گاہ کی طرف لپکے۔ پولیس نے لاٹھی چارج سے یلغار کی مگر جواں مردوں کے جوش عمل کو سرد کرنا اب ناممکن ہو گیا تھا نتیجتاً بڑی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں آگئیں۔ شاہ جی نے عوامی جذبات کو بے قابو ہونے سے روک دیا اور فرمایا۔

"ہمارا موقف قتل و غارت گری نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت، تعزیرات ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ کرے جس کی رو سے بانیان مذاہب کے خلاف تقریر و تحریر کی پابندی ہو۔ اور اس کی خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورزی کرنے والا مجرم قرار پائے۔"

اس قرار داد کے بعد جلسہ برخاست کر دیا گیا۔ سارے شہر میں جلسہ کے زیر اثر بے چینی اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ عوام کو پرامن کرنا انتظامیہ کے لئے چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اسی جلسہ میں غازی علم الدین شہید بھی موجود تھے

لاہور کے ڈپٹی کمشنر نے انتقامی کارروائی کی اور ۱۰ جولائی ۲۷ء کو شاہ جی گرفتار کر لئے گئے دفعہ ۱۰۸ کے تحت ان پر مقدمہ چلا اور حکم ہوا کہ تین ہزار روپے کی شخصی ضمانت اور تین ہزار روپے کا مچلکہ دے کر رہا ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ رعایت ٹھکرا دی اور مقدمے میں صفائی دینے سے انکار کر دیا۔ لاہور سنٹرل جیل میں مسلسل چار روز تک کارروائی جاری رہی تا آنکہ شاہ جی کو ایک سال قید بامشقت کی سزا دے کر روہتک جیل بھیج دیا گیا۔ غازی عبدالرحمٰن اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی انہیں دنوں گرفتار کر لئے گئے۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے کہا کہ۔

بنو غازی کی غیرت لاج رکھ لی جس نے ملت کی
عطاء اللہ کا ہیبت ربا ایمان ہو جاؤ

مسلمانوں میں ناموس رسالت کے تحفظ کے جذبے کی چنگاری کو شاہ جی نے شعلہ بے اماں بنا دیا تھا چنانچہ شاہ جی کی گرفتاری اور سزا کے بعد فرنگی اور ہندو کے خلاف نفرت کو مزید ہوا ملی اور تحریک سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ دہلی کے مولوی عبدالرشید (شہید) نے نامور آریہ سماج سوامی شردھانند کو قتل کر دیا۔ اس جرم میں ۱۴ نومبر ۲۷ء کو دہلی جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ حکومت نے تحریک کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہی۔ آخر کار شاطران فرنگ اس حد تک سپر انداز ہوئے کہ تعزیرات ہند میں ترمیم کر کے دفعہ ۱۹۵ کا اضافہ کیا گیا۔ جس کی رو سے ہر ایسی تقریر و تحریر جرم قرار دیدی گئی جس سے کسی مذہب کے بزرگ یا بانی (REFORMER) کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو۔ مگر متنازعہ فیہ کتب کو ممنوع قرار نہ دیا گیا۔ اس سے مسلمانوں کا اضطراب کسی طرح بھی کم نہ ہو سکا۔ مسلمانوں کے اسی احتجاج کے زیر اثر والی افغانستان امیر غازی امان اللہ نے حکومت کو لکھا کہ "اگر برطانوی ہند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی تو ہمیں برطانیہ کے ساتھ کئے گئے معاہدوں پر از سر نو غور کرنا پڑے گا۔"

شاہ جی کو مئی ۲۸ء کو رہائی ملی۔ دسمبر ۲۹ء تک ڈیڑھ سال کا عرصہ شاہ جی نے مجموعی اعتبار سے امرتسر میں گزارا البتہ اس عرصہ میں انہوں نے آریہ سماجی ہندوؤں اور مصنفوں کی خوب خبر لی اور مسلمان رائے عامہ کو ان کے خلاف بیدار کیا۔ کیونکہ راج پال کے بری ہونے سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ نبی اکرم اور دین اسلام کے خلاف بدگوئی میں مصروف تھے۔ شاہ جی کی آواز صور اسرافیل ثابت ہوئی۔ ان کا لب و لہجہ انتہائی ولولہ انگیز اور حمیت آمیز تھا فرماتے۔

"مسلمانو! تمہاری سوئی ہوئی غیرت کو جھنجھوڑنے آیا ہوں آج کفار نے توہین پیغمبر کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انہیں شاید یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مسلمان مر چکا ہے۔ آؤ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عزیز نوجوانو! تمہارے دامن کے سارے داغ صاف ہونے کا وقت آپہنچا ہے گنبد خضرا کے مکین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی آبرو خطرے میں ہے۔ آپ کی عزت پر کتے بھونک رہے ہیں اگر قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طالب ہو تو پھر نبی کی توہین کرنے والی زبان نہ رہے یا سننے والے کان نہ رہیں"

شاہ جی کی انہیں تند و تیز اور غیرت آفریں تقریروں کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں مختلف مسلمان نوجوانوں نے ان بدزبانوں کو موت کی نیند سلادیا۔ جنہوں نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی و بدکلامی کی۔ سب سے پہلے ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو لاہور کے بڑھئی نوجوان غازی علم الدین (شہید) نے دوپہر کے وقت لاہور میں کتاب "رنگیلا رسول" (خاکم بدہن) کے ناشر مہاشہ راج پال کو اس کی دکان (ہسپتال روڈ) میں قتل کر دیا۔ اس مقدمہ میں شاہ جی کی خواہش پر علم الدین نے راج پال کے قتل کا مردانہ وار اقرار کر لیا تھا حالانکہ وکیلوں کی خواہش تھی کہ علم الدین ایسا نہ کرے۔ غازی علم الدین (شہید) سے قبل دو موقعوں پر دو نوجوانوں (عبدالعزیز اور عبدالرشید) نے راج پال کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے۔ اور انہیں عدالتوں نے بالترتیب چودہ سال اور چھ سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی۔

اگرچہ غازی علم الدین کو پھانسی کی سزا دی گئی پھر بھی قصور میں محمد صادق نے پالے شاہ کو، کراچی میں عبدالقیوم نے نتھو رام کو، جہلم میں غلام محمد نے اپل سنگھ کو۔ کیمبل پور میں عبدالمنان نے پیارے لال کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ لاہور کے دو نوجوان محمد عبداللہ اور عبدالعزیز کلکتہ پہنچے اور وہاں ایک گستاخ رسول بھولا رام کو موت کی نیند سلادیا۔ چکوال میں ایک نوجوان نے ایک سکھ ڈاکٹر کی زبان خاموش کر ڈالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سب و شتم کا یہ ناپاک سلسلہ ۱۹۳۴ء تک چلتا رہا۔ شاہ جی نے اس ساری مدت میں جہاد جاری رکھا۔ شمع رسالت کے پروانے اپنی جانیں نچھاور کرتے رہے حتیٰ کہ کفر نے شکست فاش کھائی۔ پھر کسی کو ناموس رسالت پر کیچڑ اچھالنے کی جرأت نہ ہوئی۔

شاہ جی ایمان اور عمل کے اعتبار سے درجہ اول پر فائز تھے۔ ظلم خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہوتا یا بڑے پیمانے پر اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے اور حق خواہ محدود سطح پر ہوتا یا وسیع شکل میں اس کی حمایت برملا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ امرتسر میں جب ایک مسلمان شاطر نے اپنی شخصیت کی وجاہت سے فائدہ اٹھا کر بظاہر پیری مریدی اور دراصل دنیاداری کا دھندہ رچانا چاہا تو شاہ جی نے اس کے خلاف جلسہ عام میں تقریر کر ڈالی اور وہ بمبئی بھاگ گیا اور جب یہیں کے مشہور پہلوان حیدر کو ہندوؤں نے محض مسلم دشمنی کے تحت ایک جھوٹے مقدمے میں پھنسانا چاہا تو شاہ جی اس کی حمایت میں ڈٹ گئے اور جب تک بری نہ کرا لیا چین سے نہ بیٹھے۔

۱۹۲۹ء کے وسط میں شاہ جی کو ڈیرہ غازی خان جانے کا اتفاق ہوا۔ اس علاقے کے غریب مسلمان، مسلمان تمن داروں اور ہندو ساہوکاروں کے چنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ دور افتادہ ہونے کی وجہ سے شاہ جی ان حالت سے ناواقف تھے۔ ایک دردمند اور صاحب شعور مسلمان زمیندار سردار احمد خان پتافی نے شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جی سے ملاقات کی اور انہیں ان حالات سے آگاہ کیا کہ کس طرح غریب مسلمان معمولی رقموں کے عوض اپنی بیٹیاں تک ہندو ساہوکاروں کو رہن میں دے دیتے ہیں۔ کس طرح مسلمان زمینداروں نے ۱۸۶۲ء کے بندوبست اراضی میں اپنے آپ کو قرآن کی بجائے رواج کا پابند لکھوایا۔ جس کے تحت وہ بیٹیوں کو جائیداد سے محروم رکھتے ہیں۔ اور کس طرح مسلمان تمن داروں نے کتے اور سؤر پال رکھے ہیں اور سؤر مار کر پلاؤ پکاتے اور کتوں کو کھلاتے ہیں۔

شاہ جی نے یہ حالات سنے تو بے اختیار رو دیئے اور عہد کیا کہ اس علاقے کے مسلمانوں کی اصلاح احوال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اور ساری زندگی اس کے لئے جدوجہد کروں گا۔ چنانچہ آپ جب تک زندہ رہے ہر سال جون جولائی کے دنوں میں جب کسان فصل کی کٹائی سے فارغ ہو چکے ہوتے۔ ڈیرہ غازی خان تشریف لے جاتے اور مقامی باشندوں کے مخصوص لب و لہجے اور عام فہم انداز میں گھنٹوں انہیں دین کی تبلیغ کرتے۔ گرمی کی شدت سے ان کے جسم پر پھنسیاں نکل آتیں۔ دور دراز بستیوں میں جاتے جوہڑوں کا پانی پیتے اور عام لوگوں کے ساتھ کھانے میں پیاز، اچار یا مسور کی دال کھاتے۔ آسودہ حال گھرانوں میں یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیتے کہ میں جن لوگوں کو سمجھانے آیا ہوں اگر ان کے ساتھ گھل مل نہ جاؤں تو ان پر میری بات کا اثر نہیں ہو سکتا۔

شاہ جی چاہتے تو اس علاقے کے لوگوں کی بے مثال توہم پرستی سے فائدہ اٹھا کر بہت سے مادی مفادات بلکہ آمدنی کے مستقل ذرائع حاصل کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہایت صفائی، خلوص اور بے لوث طریقے سے دین کی تبلیغ کی نتیجہ یہ ہوا کہ تمن داروں نے کتوں اور سؤروں کی پرورش سے توبہ کر لی۔ زمینداروں نے شریعت کے مطابق جائیداد میں اپنی لڑکیوں کو حصہ دینا شروع کر دیا۔ اور مسلمان وڈیروں سے روپیہ لے کر غریب مسلمان لڑکیوں کو ہندو ساہوکاروں سے رہائی دلائی۔

اسی زمانے میں شاہ جی کو پتہ چلا کہ ڈیرہ غازی خان کے ایک گاؤں حاجی پورہ میں ایک عرس کے موقع پر نہایت قبیح حرکتیں ہوتی ہیں۔ وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا مگر ڈپٹی کمشنر ڈی سی نے حکماً پابندی نافذ کر دی۔ رات کو شہر میں ان کی تقریر تھی ڈی سی مع اپنی بیگم کے آیا ہوا تھا۔ شاہ جی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسٹر ڈی سی! تم نے مجھے حاجی پورہ جانے سے روک دیا۔ میں وہاں جاتا تو لوگوں کو چرس، بھنگ وغیرہ پینے سے منع کرتا۔ اور انہیں بتاتا کہ بزرگوں کے مزار فاتحہ خوانی کے لئے ہوتے ہیں۔ اس قسم کی حرکتوں کے لئے نہیں۔

ستمبر ۱۹۲۹ء میں مرکزی اسمبلی کے ایک ہندو رکن ہربلاس شاردا نے ایک بل پیش کیا جس کے مطابق سولہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ ابتداء میں اسکا اطلاق صرف ہندوؤں پر ہونا تھا مگر بد قسمتی سے بعض مسلمان ارکان اسمبلی نے اسے ہندو مسلم سب پر منطبق کرنے کا مطالبہ کیا اور یوں یہ بل ۲۸ ستمبر ۲۹ء کو پاس ہو گیا۔ علمائے کرام نے اسے مداخلت فی الدین قرار دیا اور اس کے خلاف مجتمع ہو گئے پنجاب اور صوبہ سرحد کے علاقے شاہ جی کی تحویل میں دیئے گئے اور انہوں نے شب و روز کی تقریروں سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بل کو بے اثر بنا دیا۔ مسلمانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور ہزاروں نابالغ بچوں کے نکاح پڑھوا کر اس قانون کی دھجیاں بکھیر دیں۔ [1]

اس وقت تک پنجاب کی سیاست چند ایسے خاندانوں اور شخصیتوں تک محدود تھی۔ جو پشتینی انگریز پرست تھے اور اس خدمت کے صلے میں انہیں جاگیریں اور جائیدادیں عطا ہوئی تھیں۔ پنجاب میں انگریز اور غلامی کے خلاف کوئی تحریک چلانا محال تھا۔ دوسری جانب مذہب پر ایسے حضرات کا قبضہ تھا جو عام مسلمانوں کو من گھڑت قصے کہانیوں میں مست رکھتے تھے اور قرآن سنت کی انقلابی دعوت سے خود بھی بے خبر تھے اور عوام کی بے خبری ہی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ اس پس منظر میں ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلم اکثریت کے اس سب سے بڑے صوبہ میں کوئی ایسی سیاسی و مذہبی تنظیم موجود ہو جو عوام کو ایک طرف تو آزادی کا درس دے اور دوسری جانب مذہبی دکانداروں کے شکنجے سے نکال کر بدعات اور رسم پرستی کے بجائے دین حق کا صحیح شعور عطا کرے۔ اسی مقصد کے تحت ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مولانا ظفر علی خاں، مولانا داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، خواجہ عبدالرحمٰن غازی اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے "مجلس احرار اسلام" کی بنیاد رکھی شاہ جی پہلے صدر منتخب ہوئے اس سے پہلے پنجاب کے مسلمان رہنماؤں کی اکثریت کانگریس سے وابستہ تھی۔ احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا تو ہندو لیڈروں اور اخبار نویسوں نے اس کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا اور اسے فرقہ وارانہ جماعت قرار دینے لگے۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ پنجابی مسلمانوں میں احرار کا وجود ایک فعال عوامی تنظیم کی صورت اختیار کر گیا اور یہ پہلا مرحلہ تھا جب مسلمانوں میں ہندوؤں سے علیحدگی کا ہمہ گیر ذہن ایک ایسی احتجاجی تحریک سے وابستہ ہوا جس نے ایک انگریز تاریخ دان جان گنتھر کے الفاظ میں "مذہب کے رستے سے عوام میں سیاسی رسوخ حاصل کیا تھا۔" اس کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ مسلمان ہندوؤں کی کوتاہ نظریوں اور بے انصافیوں سے تنگ آکر علیحدہ وطن کے بارے میں سوچنے لگے۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم کے الفاظ میں "احرار والے جو کچھ کہتے رہے وہ پاکستان کے خلاف تھا مگر جو کیا وہ پاکستان کے حق میں تھا۔"

چنانچہ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے اور علامہ اقبال جیسے رہنما نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ "مجلس احرار خصوصاً حضرت بخاری کا فیض تھا کہ پنجاب کے دل و دماغ انگریز کے خوف سے آزاد ہوئے اور لوگ بیرونی استعمار کی غلامی سے نجات پانے کے بارے میں سوچنے لگے۔" ورنہ وہ علاقہ جہاں کے لوگ انگریزی فوج میں بھرتی ہونے پر فخر کرتے تھے اور کعبۃ اللہ اور سیدنا عبدالقادر جیلانی کے مزار پر گولیاں چلانے اور اپنے ہی مسلمان ترک بھائیوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کرنے پر تیار ہو جاتے تھے اور جہاں کے پیران کرام اپنے مریدوں کو کعبہ و بغداد و انقرہ پر حملہ آور ہونے کی بخوشی اجازت دیتے تھے۔ اس علاقے سے حریت و آزادی کی کسی تحریک کی توقع بیکار محض تھی۔ مگر شاہ جی نے شہر شہر قریہ قریہ تقریریں کیں۔ وہ محض اردو ہی میں گفتگو کا

---

[1] یاد رہے کہ نابالغ بچوں کے نکاح پڑھوائے گئے تھے مگر رخصتی بلوغت کی عمر میں کی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جادو نہیں جگاتے تھے بلکہ لاہوری، ملتانی اور دور دراز کے علاقوں کی مقامی زبان اور لب و لہجہ میں روانی سے تقریر کرتے اور عوام کے عقل و شعور کے مطابق باتیں کرتے تھے یہی سبب تھا کہ پنجاب میں مسلم عوام کا شعور انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور انگریز کے خلاف آزادی کا جذبہ سینوں میں کروٹیں لینے لگا۔

مارچ ۱۹۳۰ء میں شاہ جی کو امیر شریعت کے اعزاز سے نوازا گیا ہوا یوں کہ لاہور میں انجمن خدام الدین کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ صدارت مشہور عالم دین اور دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کاشمیری فرما رہے تھے پانچ سو جید علماء جمع تھے کہ اچانک علامہ موصوف نے فرمایا۔

"دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں۔ کفر چاروں طرف یلغار کر چکا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر منتخب کرنا چاہیئے میں اس کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی اس وقت انہوں نے فتنہ شاتم رسول اور شاردا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرأت اور دلیری سے دین کی خدمت کی ہے آئندہ بھی ان سے ایسی ہی توقع ہے۔"

یہ کہہ کر علامہ انور شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ شاہ جی کی طرف بڑھا دیئے۔ شاہ جی نے دونوں ہاتھوں سے یہ ہاتھ تھام لئے اور کہا۔

"یہ نہ سمجھیں کہ حضرت نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے بلکہ آپ نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرما لیا ہے"

یہ کہہ کر شاہ جی زار و قطار رونے لگے اور سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کے بعد تمام علماء نے جن کی تعداد پانچ سو تھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر شریعت کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ بیعت کرنے والوں میں مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، اور مولانا احمد علی لاہوری بھی شامل تھے جو لوگ علامہ انور شاہ کاشمیری کے مقام اور مرتبے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی جانب سے یہ کتنا بڑا اعزاز تھا جو شاہ جی کو مرحمت کیا گیا۔

۳ مئی ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں جمعیت العلمائے ہند کا اجلاس تھا فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ سول نافرمانی کی تحریک میں کیا روش اختیار کی جائے اور کانگریس کے ساتھ اس معاملہ میں کس حد تک تعاون کیا جائے

شاہ جی پہلے ہی سول نافرمانی کے حامی تھے اور پنجاب میں یہی تحریک چلا رہے تھے۔ جس کے باعث دس بارہ مقامات سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے مگر وہ پولیس کو جل دے کر دوسرے شہر چلے جاتے تھے۔ چنانچہ امروہہ بھی جا دھمکے اور وہاں تین دنوں میں مجموعی طور پر ۲۲ گھنٹے تک تقریر کی اور کانگریس کے ساتھ سول نافرمانی کی تحریک میں شمولیت کے حق میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں ہندو کو اپنا دوست نہیں سمجھتا لیکن اس کی دشمنی ساحل سمندر تک محدود ہے۔ جب کہ انگریز تو سمندر پار تک اسلام کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس لئے اگر میں اپنے چھوٹے دشمن (ہندو) کے ساتھ مل کر اسلام کے بڑے دشمن (انگریز) کو شکست دے سکوں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔"

علمائے کرام! اگر میرا بس چلے تو میں انگریز کو مارنے کے لئے سوروں سے اتحاد کرنے میں گریز نہ کروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ اس کی زندگی سے اسلامی تہذیب و تمدن اور انسانیت کی موت واقع ہو جائے گی۔ اور اس کی موت سے اسلام اور مسلمان زندہ ہو جائیں گے۔ اسلامی ممالک میں اتحاد بڑھے گا مسلمانوں میں روح جہاد جاگ اٹھے گی۔"

شاہ جی کی انہیں تقریروں کا نتیجہ تھا کہ بالآخر سول نافرمانی کی تحریک میں شمولیت کی تجویز منظور ہو گئی۔ پولیس امروہہ میں بھی ان کے تعاقب میں رہی مگر گرفتار نہ کر سکی۔ یہاں سے وہ الہ آباد پہنچے زوردار تقریر کی اور دوسرے دن آگرہ جا نمودار ہوئے۔ یہاں شام کے بعد تقریر شروع کی تو ایک کونے سے آواز آئی۔

"تم نے اگر حکومت کے خلاف یا کانگریس کے حق میں کوئی بات کہی تو قتل کر دیئے جاؤ گے"

آواز کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ شہر کے بہت سے قصاب ہاتھوں میں چھرے اور کلہاڑیاں اٹھائے غضب آلود انداز میں گھور رہے تھے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے مجمع کو چیرتے ہوئے ان کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ مگر شاہ جی ذرہ برابر خائف نہ ہوئے۔ مخصوص انداز میں قرآن کی تلاوت کرتے اور اس کی تشریح فرماتے رہے تا آنکہ صبح ہو گئی۔ حیرت انگیز طور پر حملہ آوروں کو کوئی گزند پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تقریر ختم ہونے پر سب امیر شریعت کے قدموں پر گر پڑے اور گستاخی کی معافی چاہی۔

انہی ایام میں شاہ جی بمبئی جا نکلے۔ رات کو بندر روڈ پر جلسے کا اہتمام تھا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر کی اور ابھی پہلا فقرہ ادا کر پائے تھے "غلامی سب سے بڑا گناہ ہے۔ اگر اس گناہ سے نکلنا ہے تو اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ ہم انگریزوں کے خلاف پرامن لڑائی میں شامل ہو جائیں"۔ کہ تیز دھار کا ایک خنجر لہراتا ان کی طرف آیا۔ کوہاٹ کا ایک اکیس سالہ پٹھان نوجوان بچہ نور خان بجلی کی سی تیزی سی آگے بڑھا اور خنجر اپنے سینے پر روک لیا چونکہ یہ زہر میں بجھا ہوا تھا اس لئے نوجوان فوراً ہی دم توڑ گیا (۱) شاہ جی کے خلاف انگریز اور انگریز پرست بڑے ہی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تھے۔

ہندوستان کے تقریباً ہر ضلع سے ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ بمبئی سے دشوار راستوں پر چلتے بنگال پہنچ گئے۔ وہاں لوگوں کو انگریزی سامراج کے خلاف منظم اور بیدار کرنے لگے۔ یہاں ۳۰ اگست ۱۹۳۰ء کو دیناج پور میں بالآخر گرفتار کر لئے گئے۔ شاہ جی نے عدالتی کارروائی کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو انہیں چھ ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ قید کا یہ عرصہ ڈمڈم جیل میں گزارا اسی زمانہ اسیری میں ایک واقعہ انہوں نے خود لکھا ہے۔

"ایک شب جیل خانے میں سورۂ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے پکارا۔ دیکھا تو سپرنٹنڈنٹ جیل پنڈت رام جی لال تھا جو رو رہا تھا اور رخسار اس کے آنسوؤں سے تر تھے کہنے لگا شاہ جی خدا کے لئے بس کرو میرا دل قابو سے باہر ہو چلا ہے۔ اب مجھ میں رونے کی طاقت

۱۔ شاہ جی فرمایا کرتے کہ بچہ نور خان کی اس قربانی نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے اس کی لاش کو ہاتھوں پر اٹھا کر پھر جو تقریر کی وہ تقریر نہیں بھڑکتے ہوئے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے تھے۔ جن سے انگریزی تخت اقتدار جل کر خاکستر ہو رہا تھا۔ (کفیل)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں"۔

اسیری کی اس مدت میں امیر شریعت ایک بنگالی سوشیل کمار سے انگریزی پڑھتے رہے اور اسے قرآن پڑھاتے رہے اور یوں مختصر قید کا یہ زمانہ خوش اسلوبی سے گزر گیا۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں جب ایک سمجھوتے کے تحت سارے سیاسی قیدی رہا ہوگئے تو آپ بھی چھوٹے قید خانے سے پھر بڑے قید خانے میں آ گئے۔

ستمبر ۱۹۳۱ء میں شاہ جی کو لاہور میں ایک چھوٹا سا معرکہ درپیش ہوا۔ میکلیگن کالج کے انگریز پرنسپل مسٹر ڈیکیر نے بھری کلاس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رکیک حملے کئے مسلمان طلبہ نے ہڑتال کر دی۔ اور علامہ اقبال سے ملے جنھوں نے انہیں مجلس احرار کے رہنماؤں سے ملنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ایک رات موچی دروازے میں لاکھوں مسلمان جمع ہوئے شاہ جی نے رات دس بجے سے دو بجے تک تقریر کی اور پھر اس عظیم الشان اجتماع کو لے کر میکلیگن کالج جا پہنچے حکومت نے بعض رہنماؤں کو گرفتار کر لیا اور خوف وہراس پھیلانے کی کوشش کی مگر شام تک ہتھیار ڈال دیئے۔ پرنسپل نے تحریری معافی مانگی۔ خارج شدہ طلبہ کو کالج میں دوبارہ داخلہ مل گیا۔ اور گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا۔ یوں شاہ جی کی ایک دن کی مہم سے زبان دراز پرنسپل کا مزاج درست ہوگیا۔ اور کسی تعلیمی ادارے میں اس قسم کی صورت حال کے اعادے کا امکان ختم ہوگیا۔

تحریک کشمیر وہ پہلا محاذ ہے جس پر مجلس احرار اسلام کو بحیثیت جماعت لڑنا پڑا اور اس نے ایثار و جانبازی کی شاندار روایات قائم کیں۔ کشمیر وہ بد نصیب خطہ ہے جو غربت و افلاس کے ساتھ ساتھ بے رحم

ڈوگرہ استبداد کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ جس سے اکثریتی مسلمان آبادی کے دینی شعائر تک پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہتی تھی۔ ۹ اگست ۱۹۳۱ء کو بھی ایسا ہی حادثہ پیش آیا۔ جموں میں ریاستی پولیس کا ایک سپاہی اپنی بیرک میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا کہ ایک ہندو نے قرآن چھین کر زمین پر دے مارا۔ مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی شیخ عبداللہ سامنے آئے اور اپنی پرجوش تقریروں سے عوام کو گلیوں بازاروں میں لا کھڑا کیا۔ نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلیں اور کتنے ہی شہید ہوگئے۔

ظاہر ہے اس صورت حال سے پنجاب کے مسلمان کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ اس ظلم و شقاوت کے خلاف کارروائی پر غور ہونے لگا۔ مگر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جو کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی ایک سازش کے تحت اس کے صدر بشیر الدین محمود اور سیکرٹری عبدالرحمن درد بن بیٹھے۔ دونوں قادیانی تھے نمائش کی خاطر چند مسلمانوں کو بھی ارکان نامزد کیا گیا۔ علامہ اقبال بھی ان میں سے تھے۔

احرار کے رہنماؤں کو اس ڈرامے کا علم ہوا تو علامہ اقبال کو قادیانی سازش سے آگاہ کیا کہ یہ لوگ دراصل فریب سے کشمیری مسلمانوں کو اپنے دام میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ اور دوسرے ملکوں کو قادیانی اثر و رسوخ سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مرحوم و مغفور نے فوراً ہی کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ کشمیر کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس کی ساری ذمہ داری مجلس احرار کو سونپ دی گئی۔ چنانچہ ۱۸ اگست کو احرار کی مجلس عاملہ نے لاہور کے اجلاس میں تحریک کشمیر کو منظم اور باضابطہ انداز میں چلانے کا فیصلہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکتوبر ۳۱ء کے شروع میں احرار کا ایک وفد کشمیر گیا تا کہ مہاراجہ کشمیر سے براہ راست مذاکرات کر کے مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کو حل کرایا جائے مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور وفد ناکام لوٹ آیا۔ فطری طور پر شاہ جی نے کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں انگریز اور مہاراجہ کے خلاف تقریروں کا سلسلہ تیز کر دیا اور لب و لہجہ بھی ضرورت اور حالات کے مطابق سخت اختیار کر لیا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ اکتوبر ۳۱ء کو شاہ جی دفعہ ۱۲۴ الف (بغاوت) کے تحت گرفتار کر لئے گئے اور ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا پائی۔

حکومت کے رویئے سے تنگ آ کر نومبر ۳۱ء میں مجلس احرار نے کشمیری مسلمانوں کی امداد کے لئے ریاست میں رضا کاروں کے دستے بھیجنے شروع کئے۔ رضا کاروں کی یہ ٹولیاں سیالکوٹ سے ریاستی حدود میں داخل ہوتیں۔ تو انہیں گرفتار کر کے ظلم و تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا۔ مگر مجاہدین کے حوصلے پست نہ ہوتے اور تقریباً پچاس ہزار مسلمانوں نے گرفتاریاں دیں جن میں احرار کے تمام قائدین بھی شامل تھے اسی تحریک کے نتیجے میں اول اول کشمیر میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی ریاستی حکام کے مظالم کی رو تھم گئی اور مسلمانوں کے متعدد بنیادی حقوق بحال کر دیئے گئے۔

شاہ جی نے اسیری کا ابتدائی کچھ عرصہ بورسٹل جیل لاہور میں اور باقی مدت سنٹرل جیل ملتان میں گزاری۔ قید و بند اب ان کی زندگی کا جزو لازم تھی۔ وہ جیل کو بازیچہ اطفال سمجھتے جہاں ان کے قہقہے مزید بلند ہو جاتے اور شگفتگی و خوش طبعی سے اپنے بیگانے نئے حوصلے اور ولولے پاتے۔ ملتان جیل میں ان دنوں مشہور دہشت پسند شیر جنگ بھی مقید تھا اس نے آپ سے قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھا۔ ایک دن سوال کیا

"شاہ جی! قرآن میں یہ تو درج ہے کہ مسلمان آزاد رہ کر اس طرح زندگی بسر کریں۔ سارے قرآن میں مسلمان اور غلامی کہیں بھی اکٹھے نہیں ہیں پھر آخر مسلمان جنگ آزادی میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟"

یہ بات شاہ جی کے دل میں اتر گئی مدتوں جلسہ ہائے عام میں مسلمانوں سے اس کا جواب پوچھتے پھرے۔

ایک اشتراکی نوجوان نے جو آپ کے ساتھ قید تھا ایک روز پوچھا۔

"شاہ جی آپ نے کبھی نماز ترک نہیں کی۔ نہ کبھی روزہ چھوڑا ہے پھر آپ کا دل عام نمازیوں کی طرح سخت کیوں نہیں؟"

شاہ جی مسکرائے فرمایا "بھائی! جو مذہب انسان کے دل کو گداز نہیں کرتا وہ مذہب نہیں سیاست ہے اور مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں"

شاہ جی نے جیل میں مونج کوٹی، بان بٹا، اور گندم پیسی لیکن کوئی سی آزمائش بھی ان کے حوصلے پست نہ کر سکی۔ بے نیازانہ زندگی گزارتے اور کسی سے کوئی مطالبہ نہ کرتے۔ ان مشکلات کو راہ حق کا ضروری توشہ سمجھتے تھے۔

۲۶ اکتوبر کو ملتان جیل سے رہا ہوئے۔ تو ایک نیا معرکہ آپ کا منتظر تھا ہندو مسلم قائدین اور برطانوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کے درمیان ایک سمجھوتے کے تحت پورے ملک میں مخلوط انتخابات پر اتفاق رائے ہو گیا تھا لیکن پنجاب اور بنگال کو مسلم اکثریت کے صوبے تسلیم کر لیا گیا۔

اس فیصلے سے سکھ بہت برہم تھے اور ماسٹر تارا سنگھ نے چیلنج دیا "اگر پنجاب میں مسلم راج قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ یہی نہیں سکھوں کے دوسرے چھوٹے لیڈر بھی اشتعال پھیلانے لگے۔ شاہ جی جیل سے باہر آئے رنگ دیکھا تو سکھوں کے مرکز امرتسر میں ایک جلسہ عام کا اعلان کر دیا مقررہ تاریخ پر پنجاب کے دور دراز شہروں سے بھی مسلمان آئے۔ لاکھوں کے اس مجمع میں شاہ جی نے للکارا۔

"غیرت حیران ہو کر مسلمان نوجوانوں کا منہ تک رہی ہے کہ یہی اس قوم کے فرزند ہیں جن کو انگلیوں پر گنے جانے والی قوم خون کی دھمکیاں دے رہی ہے۔ جس قوم نے دجلہ و فرات کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور تلواروں کے سائے تلے کھڑے ہو کر موت کو زندگی کی دعوت دی۔

بے خبر مسلمان نوجوانو! ہوش سنبھالو اور عقل کے ناخن لو سکھوں سے کہہ دو ہمیں اپنے پایاب ندیوں سے نہ ڈرائیں ہم تو خون کے بحر بے کراں میں گھوڑے دوڑانے کے عادی ہیں۔ سکھ صاحبان کو میرا مشورہ ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر بات کریں۔ جس ہندو قوم کے سہارے وہ یہ دھمکیاں دے رہے ہیں وہ نو سو سال تک ہمارے پاؤں تلے رہی ہے"۔

امیر شریعت نے اسی لب و لہجہ میں کئی دوسرے مقامات پر بھی تقریریں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ پسپا ہو گئے گوردوارہ پربندھک کمیٹی لاہور کے ایک سرکردہ رکن نے وضاحت کی۔

"مسلمان دوستوں نے ہماری بات کا غلط مفہوم لیا ہے ہمارا جھگڑا تو صرف حکومت اور کانگریس سے ہے مسلمانوں سے ہماری کوئی لڑائی نہیں سکھ اپنے حقوق کے لئے صرف حکومت برطانیہ سے ٹکرائیں گے"

مئی ۱۹۳۳ء میں شاہ جی شجاع آباد میں تھے جب سید ولایت شاہ نامی ایک شخص نے آپ کو زہر والا پان کھلا دیا۔ بروقت پتہ چل جانے پر آپ نے پان تھوک دیا مگر زہر کے اثر سے چہرہ سیاہ اور حالت غیر ہو گئی تین دن کے مسلسل علاج سے آپ کی حالت سنبھل گئی ملزم گرفتار ہوا مگر شاہ جی نے اسے معاف کر دیا اور پولیس سے بھی سفارش کر کے اس کی جاں بخشی کرا دی ان پر یہ تیسرا قاتلانہ حملہ تھا۔

انہیں ایام میں میر پور (کشمیر) کی انجمن اصلاح المسلمین نے سالانہ اجلاس میں شاہ جی کو مدعو کیا۔ آپ نے دعوت قبول کر لی مگر ریاستی اور برطانوی حکام نے کشمیر میں آپ کا داخلہ بند کر دیا اور اس ضمن میں سخت احکامات جاری کئے۔ شاہ جی نے بھیس بدلا، نیم آستین کے لمبے کرتے، ٹخنوں سے اونچے پاجامے قمیض پر نیم آستین کی واسکٹ پہنی، سر پر گول ٹوپی کی بجائے کھدر کی پگڑی باندھی اور خالص دیہاتی بہروپ میں کشمیر جا پہنچے اور نصف شب کے قریب انجمن کے آخری اجلاس میں جب کہ صدر جلسہ مختلف سرکاری پابندیوں کے باعث امیر شریعت کے تشریف نہ لانے پر معذرت کر رہے تھے شاہ جی اسٹیج پر نمودار ہوئے وہ پگڑی اتار کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو گئے سامعین حیرت و مسرت سے پاگل ہو گئے انہوں نے صبح چار بجے تک تقریر کی۔ کشمیریوں کے سینوں میں آزادی اور غیرت کی آگ بھر دی میر پور کے اکثر دیہات میں بغاوت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت پیدا ہو گئی بہت سی سرکاری املاک عمارات کو آگ لگا دی گئی۔ پنجاب پولیس اور ریاستی انتظامیہ کے کئی افسر معطل ہو گئے۔

قادیانیوں کے بارے میں شاہ جی کے جو نظریات تھے ان کا مختصراً ذکر ہو چکا ہے۔ وہ خلوص اور سنجیدگی سے ان کی بیخ کنی چاہتے تھے مگر دوسری بہت سی مصروفیات اس جانب بھر پور توجہ دینے میں مانع تھیں۔ حالانکہ یہ بات بڑی تشویش ناک تھی کہ قادیانیوں نے قادیان کے قصبے میں حکومتی طرز پر اپنا نظام قائم کر رکھا تھا اور عملاً وہاں قادیانیوں کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی حکومت تھی۔ قادیان میں غیر قادیانی خصوصاً مسلمان سخت خوف و ہراس کی فضا میں رہتے تھے اور کسی کو قادیانی احکامات کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی چنانچہ ۱۹۲۸ء میں جب مشہور قادیانی مبلغ عبدالکریم مباہلہ نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیا تو انہیں اہل و عیال سمیت سخت اذیتیں دی گئیں۔ ان کا مکان اور املاک جلا دی گئیں۔ مجبوراً اس خاندان کو ہجرت کر کے بٹالہ میں پناہ لینی پڑی۔

قادیانی عزائم کو ناکام بنانے کے لئے مجلس احرار نے ۱۹۳۳ء میں قادیان میں اپنا دفتر قائم کرنے کا فیصلہ کیا مگر اس مقصد کے لئے کوئی مکان دینے کو تیار نہ تھا نہ مقامی افراد میں سے کارکن دستیاب تھے بالآخر مولانا عبدالکریم مباہلہ کے نیم سوختہ مکان میں دفتر قائم کیا گیا اور دو رضا کاروں کو وہاں متعین کیا گیا لیکن قادیانیوں نے ان کی خوب پٹائی کی اور رہا سہا مکان اور دفتر کا سامان بھی جلا کے راکھ کر دیا۔

ان حالات میں مجلس احرار نے قادیان میں ایک تین روزہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی تاریخیں مقرر کیں کانفرنس کے لئے ایک سکھ زمیندار کی زمین حاصل کی گئی مگر قادیانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا چنانچہ قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک اسکول کے پہلو میں پنڈال بنایا گیا۔

اس کانفرنس میں احرار کے ساتھ ساتھ ہر مکتب فکر کے علماء اور عوام نے شرکت کی کوئی پچاس ہزار کا ہجوم تھا شاہ جی نے ۲۱ اکتوبر کو رات کے ساڑھے دس بجے تقریر شروع کی۔ بے مثال مقرر کی شعلہ بیانی بڑھتی چلی گئی۔ انہیں نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کا خراج ملتا رہا۔ یہ تقریر جاری رہی حتیٰ کہ صبح کی اذانیں ہو گئیں۔ اس تقریر میں شاہ جی نے بشیر الدین محمود کو مخاطب کر کے یہ جملے کہے۔

"تم اپنے بابا کی نبوت لے کر آؤ اور میں اپنے نانا کی نبوت لے کر آتا ہوں تم حریر و پرنیاں زیب تن کر کے آؤ اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق کھدر پہن کر آؤں تم مرغ کباب کھا کر اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر کی ٹانک وائین پی کر اور میں جو کی روکھی سوکھی کھا کر آؤں، پھر زمانہ فیصلہ کرے کہ کون سچے نبی کی اولاد ہے"

اس کانفرنس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیان میں مسلمانوں کو بے سرو سامانی کا احساس نہ رہا اور قادیانیوں نے ظلم و ستم کا راستہ ترک کر دیا۔ اسی کانفرنس سے عوام اور پڑھے لکھے طبقے پر قادیانیوں کی صحیح صورت اور اصل عزائم آشکارا ہوئے۔ اور مختلف مصنفین نے اس فرقے کا شرح و بسط سے جائزہ لیا۔

قادیان کانفرنس سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اہلیہ بیمار پڑ گئیں اور ایک روز انہوں نے خون کی قے کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹروں نے ٹی بی تشخیص کی اور کوہ مسوری جانے کا مشورہ دیا۔ حالات اور مالی وسائل اگرچہ اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ تاہم مجبوراً پہنچے اور چند ہفتے سکون سے گزرے تھے کہ دسمبر ۱۹۳۴ء میں قادیان کانفرنس کی تقریر کی بنیاد پر مسوری میں گرفتار کر لئے گئے تاہم دوسرے دن ڈیرہ دون میں ضمانت پر رہا ہوگئے۔

اس مقدمے کی حاضری کے لئے شاہ جی کو وقتاً فوقتاً گورداسپور جانا پڑتا تھا کارروائی کے روز دور نزدیک سے ہزاروں افراد جمع ہوجاتے اور خاص عقیدت کا اظہار کرتے۔ مقدمہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں چار ماہ تک چلتا رہا حتیٰ کہ ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو انہیں چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ سیشن جج گورداسپور جی ڈی کھوسلہ نے اپیل منظور کر لی اور سزا میں تخفیف کر کے اسے تا اختتام عدالت کی قید محض میں بدل دیا جی ڈی کھوسلہ کے فیصلے میں پہلی مرتبہ قادیانیت کو نقد و جرح کا ہدف بنایا گیا۔

اب مجلس احرار اسلام کو پنجاب کی سیاست میں کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ صوبائی انتخابات کا زمانہ قریب آرہا تھا۔ لیکن اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے احرار کو سیاسی طور پر انتہائی صدمہ اٹھانا پڑا۔ بعض سیاسی حلقوں کے خیال میں یہ واقعہ دراصل ایک سازش کا نتیجہ تھا جو بعض افراد نے احرار کے خلاف ترتیب دی۔ لیکن اس واقعے کے اسباب اور محرکات پر یہاں بحث کرنا ہمارے مضمون کا موضوع نہیں۔ الزام لگایا جاتا ہے کہ ایک سرکار پرست نے پنجاب کے گورنر ایمرسن (جس نے اپنی ڈپٹی کمشنری کے دوران ملتان میں سنی شیعہ فساد کرایا تھا) اور قادیانیوں سے گٹھ جوڑ کیا اور گوردوارہ شہید گنج میں ملحق ایک مسجد کو مسمار کرا دیا یہ مسجد ایک عرصے سے سکھوں کے قبضے میں تھی۔ اور وہ اسے مسجد تسلیم کرنے پر تیار ہی نہ تھے مسجد گرائی گئی تو مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور فطری طور پر ان کی نظریں احرار کی جانب اٹھیں مگر احرار کے رہنما لاہور سے باہر تھے۔ دوسرے ان کا موقف یہ تھا جیسا کہ شاہ جی نے شاہی مسجد میں دوران خطاب واضح کیا کہ اس معاملے میں انگریزوں اور سکھوں سے خونریز تصادم ناگزیر ہے جو اس وقت مناسب نہ سمجھا گیا۔ مخالفین کی کوشش تھی کہ احرار راستے سے ہٹ جائیں۔ حصہ لیں تو مارے جائیں، نہ لیں تو لوگوں کی نظروں سے گر جائیں چنانچہ یہ المناک منظر سامنے آیا کہ کئی انگریز پرست اور ٹوڈی مسلمان سیاست دانوں اور صحافیوں نے توپوں کے سارے دہانے سکھوں یا انگریزوں کی بجائے احرار کی جانب کھول دیئے اور جذبات کی شدید گولہ باری کر دی نتیجتہً انتخابات میں احرار کا کوئی نمائندہ کامیاب نہ ہوسکا۔

شاہ جی نے شہید گنج کے قضیے کی وضاحت کے لئے ایک طویل سفر کیا اور یو۔ پی جا پہنچے لکھنؤ میں دوران تقریر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا اور انہوں نے رضی اللہ عنہ کہا تو کسی نے بلند آواز سے پکارا۔ "شاہ جی! یہاں صحابہؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جرم ہے"۔

شاہ جی یہ سن کر ششدر رہ گئے مجمع سے تصدیق کی تو پتہ چلا کہ انگریز نے لکھنؤ میں قانون نافذ کر رکھا ہے جس کی رو سے صحابہؓ اور خصوصاً ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف کرنا جرم ہے اور اس کی سزا دو سال قید بامشقت ہے شاہ جی یہ سن کر جلال میں آگئے اور صحابہؓ کی بار بار تعریف کر کے رضی اللہ عنہم کی تکرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے لگے۔ شاہ جی کو حیرت اس بات پر تھی کہ لکھنؤ میں مدح صحابہؓ قانوناً جرم ہے چنانچہ اسی تقریر میں پورے زور سے کہا۔

"گالیاں بکنا تو جرم ہو سکتا ہے مگر کسی کی تعریف کرنا کیونکر جرم قرار دیا جا سکتا ہے حکومت نے قمار بازی، شراب نوشی اور عصمت فروشی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی لیکن خلفائے راشدینؓ کی تعریف پر پابندی عائد ہے حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنی پوزیشن پر غور کرے"۔

مزید فرمایا

"میرا روئے سخن حکومت کی جانب ہے شاید کل کو کچھ اور سمجھ لیا جائے اس لئے کان کھول کر سن لو میں تمام یو پی کو ایک مرکز پر جمع کر دوں گا اور اس قانون کو آئینی جدوجہد سے ختم کرا کے دم لوں گا اور اگر اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو پھر میں بے آئینی بھی کر سکتا ہوں"۔

لیکن جب حکومت نے اس انتباہ کا کوئی نوٹس نہ لیا تو شاہ جی اور ان کے ساتھی متعدد مرتبہ لکھنؤ گئے تحریک مدحِ صحابہ چلائی۔ اور ایک مرتبہ پچیس ہزار مسلمانوں نے گرفتاری دی جس کے بعد بالآخر جولائی ۳۷ء میں اس قانون کو منسوخ کیا گیا۔

۶ دسمبر ۱۹۳۵ء کو شاہ جی مرزا بشیر الدین محمود کے اعلانِ مباہلہ کے بعد جماعتی فیصلہ کی بناء پر قادیان جا رہے تھے کہ راستے میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور ایک ریلوے مجسٹریٹ نے انہیں تین ماہ قید بامشقت اور ایک سو روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید ایک ماہ قید بامشقت کی سزا سنا کر گورداسپور جیل میں بھیج دیا جہاں سے ایک ہفتے کے بعد سنٹرل جیل لاہور میں منتقل ہو گئے ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو رہائی ملی۔

شاہ جی رہا ہوئے تو ملک میں انتخابات کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ اور تمام جماعتیں اپنے اپنے منشور لے کر میدان میں آ گئی تھیں۔ شاہ جی انتخابات میں حصہ لینے کے حق میں نہیں تھے کہتے تھے اس میں بھی انگریز کی کوئی چال ہے اور دلیل میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

مگر احباب کے اصرار کے سامنے خاموش ہو گئے۔ انتخابی سرگرمیاں پورے عروج پر تھیں کہ خبر ملی راولپنڈی میں جامع مسجد کے عین عقب میں گوردوارہ پر بندھک کمیٹی نے سینما ہال کی تعمیر شروع کر رکھی ہے اور مسلمانوں کا احتجاج و واویلا بے کار ثابت ہوا ہے۔ انتہائی مصروفیات کے باوجود راولپنڈی کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے انہوں نے شہر کے ہندو سکھ اور مسلمان معززین اور مقامی حکام کو جن میں ڈپٹی سی بھی شامل تھا جامع مسجد بلایا اور وہاں مذہبی مقامات کے تقدس پر دلسوزی سے تقریر کرنے کے بعد اپیل کی کہ سکھ مسجد سے متصل سینما تعمیر نہ کریں سکھ رہنماؤں نے تقریر سے متاثر ہو کر وعدہ کر لیا کہ سینما ہال کی تعمیر روک دی جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اجتماع رات کو ہوا صبح ہوئی تو سکھ عوام نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سینما کی تعمیر جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اس پر حالات بے حد کشیدہ ہو گئے دوسرے دن شاہ جی نے پھر سکھوں اور شہری حکام کو وارننگ دی لیکن جب کوئی مثبت اثر نہ ہوا تو رات کو جلسے کا اعلان کر دیا اور زندگی کی مختصر ترین تقریر کی فرمایا۔

"عزیزو! ہماری کسی سے لڑائی نہیں اگر کوئی قوم اپنی ضد پر اتر آئے تو ہمیں خوف نہیں کھانا چاہیئے۔ لہٰذا ایسا کام کرو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے میرے ساتھ وعدہ کرو جو کچھ کہوں گا وہی کچھ کرو گے"

سارے مجمع نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ شاہ جی بولے۔

"دیکھو جو میں کہوں وہی کرنا ہو گا۔ اگر کسی نازیبا حرکت کی شکایت آئی تو میں ناراض ہو کر چلا جاؤں گا"۔

ہجوم نے وعدہ کیا کہ وہ نصیحت کی پابندی کریں گے تو فرمایا۔

"عزیزانِ من! یا تو مسجد نہ رہے اور یا سینما نہ بنے۔ میں نے مقدور بھر کوشش کی اور شہر کے ذمہ دار حکام گواہ ہیں کہ سکھ رہنما اپنے وعدے کا پاس کریں گے۔ خیر اب تم اپنا کام کرو یا مسجد کے قریب سینما نہ ہو یا سینما کے قریب مسجد نہ ہو بس۔ لیکن یہ میری درخواست ہے کہ اینٹوں کے سوا کسی بھی انسان پر ہاتھ نہ اٹھیں"۔

یہ سنتے ہی لوگ سینما کی طرف بھاگ اٹھے۔ صبح ہوئی تو وہاں سینما تو کجا کسی اینٹ کا نام و نشان نہ تھا یوں لگتا تھا جنوں نے سارے ملبے کو اٹھا کر غائب کر دیا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پولیس بھی پاس ہی کھڑی تھی سکھ نوجوان بھی بپھرے ہوئے تھے مگر مسلمان کے جوش ایمانی کے سامنے سب لرزہ براندام ہو کر رہ گئے اقبال نے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے جرأتِ رندانہ

۱۹۳۹ء کے وسط میں جب یورپ میں جنگ کے امکانات واضح ہوتے جا رہے تھے۔ اور اس کے پیش نظر اسمبلی میں آرمی بل زیر بحث تھا کہ مجلس احرار نے انگریزی استعمار پر بھرپور ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا اور بمبئی سے لے کر پشاور تک فوج میں بھرتی کے خلاف تحریک چلا دی جونہی ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا احرار کی ورکنگ کمیٹی نے ہندوستان کی آزادی اور افریقہ و ایشیاء سے انگریزوں کے انخلاء کا مطالبہ کر دیا اور فوجی بھرتی کی مخالفت اور عدم تعاون کا برملا اعلان بھی کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ احرار کے تمام قائدین گرفتار کر لئے گئے شاہ جی کے خلاف ۱۲۴ الف، ۱۲۱ الف اور ۳۰۲/۱۱۷ کے مقدمات دائر کئے گئے۔ اور ہندوستان بھر میں احرار کے آٹھ ہزار فعال کارکن حوالۂ زنداں کر دیئے گئے۔

شاہ جی جیل ہی میں تھے جب ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ افسوس کہ رہا ہو کر وہ اس تحریک کی حمایت نہ کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام پاکستان کے بعد شاہ جی سیاست سے کنارہ کش ہوگئے انہوں نے احرار کو مشورہ دیا کہ وہ ہر نیک کام میں مسلم لیگ کی حکومت سے تعاون کریں اور حکومت کی جن پالیسیوں سے دین کو نقصان پہنچے اس کی بھرپور مزاحمت و مخالفت کریں۔ وہ امرتسر سے ہجرت کر کے پہلے لاہور آئے۔ وہاں سے نوابزادہ نصر اللہ خاں کے گاؤں خان گڑھ (مظفر گڑھ) گئے اور تھوڑے ہی دن قیام فرمایا تھا کہ سیلاب آگیا اور مکان بہہ گیا۔ چند معتقدین کے اصرار پر ملتان میں مستقل مقیم ہوگئے۔ وہ امرتسر میں دو مکان چھوڑ آئے تھے مگر پاکستان میں کوئی کلیم نہ دیا احباب کوشش کرتے رہے کہ ملتان میں کوئی مکان الاٹ ہو جائے مگر شاہ جی کا کہنا تھا کہ میں نے کبھی فدوی بن کر کہیں درخواست نہیں دی اور اب بھی میرے لئے ناممکن ہے کہ کلیم داخل کروں۔ بالآخر محلہ ٹبی شیر خان میں ایک چھوٹا سا کچا مکان بارہ روپے ماہوار کرائے پر لیا گیا اور شاہ جی نے وفات تک بقیہ زندگی اسی کٹیا نما مکان میں گزار دی۔ اردو زبان کا سب سے بڑا خطیب، امت مسلمہ کے لئے جسم و جاں کی تمام تر توانائیاں وقف کر دینے والا مجاہد اور انگریزی ایوانوں میں زلزلے برپا کر دینے والا عظیم قائد اس ملک میں بے خانماں خرابی کی حالت میں زندگی بسر کرتا رہا اور اسے سر چھپانے کے لئے کوئی ڈھنگ کا مکان بھی میسر نہ آیا۔

ملتان میں شاہ جی کی اقامت کا ذکر ہوتا تو وہ ایک واقعہ تفنن اور سنجیدگی کے ملے جلے تاثر سے سنایا کرتے۔ فرمایا کرتے کہ ۱۹۳۴ء کے اواخر میں معراج النبی ﷺ کی ایک تقریب میں انہیں ملتان بلایا گیا۔ باغ لانگے خان میں حاضری بے پناہ تھی اور رات کے سناٹے میں سامعین بت بنے محویت کے عالم میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک مجذوب قسم کا آدمی اٹھا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر ملتانی میں کہنے لگا۔ "شاہ! اللہ تیڈا اتھاں مزار بڑا نوے" (یعنی خدا آپ کا مزار یہیں بنائے) چنانچہ حیرت انگیز طور پر شاہ جی قیام پاکستان سے عمر کے آخری سانسوں تک ملتان میں رہے اور بالآخر اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔ ورنہ لاہور میں ان کے قریبی احباب اور عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی اور انہوں نے وہاں مقیم ہونے پر اصرار بھی کیا تھا۔ فیصل آباد کے احباب نے بہت تقاضا کیا کہ شاہ جی وہاں منتقل ہو جائیں اور گوجرانوالہ میں تو مکان بھی پسند کر لیا گیا مگر وہ ملتان کے ہو کر رہ گئے اور کسی دوسری جگہ جانا پسند نہ کیا۔

اگرچہ شاہ جی سیاست سے کنارہ کشی کا عہد کر چکے تھے مگر پاکستان میں اسلامی تقاضوں سے اغماض، خصوصاً قادیانیوں کے روز افزوں اثر و رسوخ پر وہ بہت پریشان تھے۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی (سر ظفر اللہ خاں) نامزد کیا گیا۔ تو وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر قادیانیوں نے پاکستان پر قبضہ کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ اور ابتدائی اقدام کے طور پر بلوچستان کو قادیانی اکثریت کے صوبے میں تبدیل کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ ربوہ کا قادیانی خلیفہ برملا اس قسم کے بیان دینے لگا۔

"۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گرے" (الفضل ۱۶ جنوری ۱۹۵۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین) مجرموں کی حیثیت میں ہمارے سامنے پیش ہوں گے"۔

"میں جانتا ہوں اب بلوچستان ہمارے ہاتھوں سے نکل نہیں سکتا۔ یہ ہماری شکار گاہ ہوگا۔ دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں"۔

شاہ جی نے اپنا فرض سمجھا کہ جس فتنے کی وہ عمر بھر سر کوبی کرتے رہے ہیں وہ اب ایک مسلم ریاست میں برگ و بار نہ لا سکے۔ یہی وہ اضطراب تھا جو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا پیش خیمہ بنا۔ انہیں کی ہدایت پر لاہور میں ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو کل جماعتی کانفرنس طلب کی گئی جس میں ہر مکتب فکر نے شرکت کی اور مندرجہ ذیل مطالبات پر مبنی قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چودھری سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے سبکدوش کیا جائے۔

۳۔ مرزائی افسروں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کیا جائے۔

۴۔ ربوہ کی بقیہ اراضی پر مہاجرین کو آباد کیا جائے۔

لیکن افسوس کہ مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کی بجائے متعدد رہنما گرفتار کر لئے گئے ملتان میں ایک جلوس پر وحشیانہ فائرنگ ہوئی جس سے چھ آدمی شہید اور دس زخمی ہوئے۔

مختصراً یہ کہ جب کراچی میں راست اقدام کا فیصلہ کیا گیا تو ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کی رات کو شاہ جی اور ان کے رفقاء گرفتار کر لئے گئے اور پنجاب کے تمام شہروں میں احرار کے رہنما اور کارکن پکڑ لئے گئے۔ ہزاروں نوجوان شہید اور بے شمار زخمی ہوئے۔ لاہور میں مارشل لگا دیا گیا۔ شاہ جی اور ان کے رفقاء کو پہلے کراچی اور پھر سکھر جیل میں رکھا گیا۔ یہاں ان کے لئے طرح طرح کی پریشانیاں پیدا کی گئیں۔ جس سے ان کی صحت تباہ ہو کر رہ گئی۔ گرفتاری کے خلاف رٹ دائر کی گئی تو جسٹس ایس اے رحمٰن نے انہیں ۸ فروری ۱۹۵۴ء کو رہا کر دیا۔ اس وقت وہ سنٹرل جیل لاہور میں تھے۔

اگرچہ شاہ جی کا دل ٹوٹ گیا تھا تاہم رہائی کے بعد انہوں نے مسلسل دورے کئے اور عوام کو مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور پاکستان میں قادیانی عزائم سے آگاہ کرتے رہے۔ جس سے گھبرا کر انہیں ۱۹۵۵ء میں چھ ماہ کے لئے گھر میں نظر بند کیا گیا۔ پھر ۱۴ اپریل ۵۶ء کو گرفتار ہوئے اور چھ ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ ڈاکٹر خاں صاحب وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے سارے الزامات واپس لے لئے۔

۱۶ نومبر ۱۹۵۴ء کی بات ہے شاہ جی گھر میں وضو کر رہے تھے کہ جسم کے دائیں جانب فالج کا ہلکا سا حملہ ہوا۔ مگر اس کا اثر جلد ہی زائل ہو گیا۔ اواخر ۱۹۵۶ء میں جسمانی عوارض یکایک عود کر آئے اور پھر ایسے گرے کہ چار برس تک چارپائی سے لگے رہے کبھی برائے نام صحت ہو جاتی۔ ۱۶ مارچ ۱۹۶۱ء کو فالج کا شدید حملہ ہوا اور ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کی شام کو یہ نابغۂ روزگار اور تحریک ختم نبوت کا سپہ سالار اعظم کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا خالق حقیقی سے جاملا تقریباً دو لاکھ انسان جنازے کے جلوس میں شریک ہوئے جو ایک میل لمبا تھا۔ بڑے فرزند سید ابوذر بخاری نے نماز جنازہ پڑھائی اور انسانی عظمتوں اور شرافتوں کا یہ پیکر باغ لانگے خاں کے نزدیک جلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقری کے مشہور قبرستان میں ابدی نیند سو گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

شاہ جی کے نو بچے تھے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں۔ چار لڑکیاں بچپن میں وفات پا گئیں باقی بچوں کی تربیت مثالی اسلامی طریقے سے کی چاروں بچے حافظ قرآن اور عربی و دینیات کے عالم بنے۔ بچی کی بھی ایسی ہی تربیت کی۔ انگریزی زبان سے سخت الرجک تھے۔ اس لئے کسی بچے کو جدید تعلیم نہ دی۔ کہتے تھے اس سے بہتر ہے میں انہیں زندہ دفنا دوں۔

شاہ جی مسلکاً حنفی تھے لیکن تنگ نظری انہیں چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ بعض ہم عصر علماء کی مانند کسی جماعت یا عالم کے خلاف محاذ بنایا نہ مخالفت برائے مخالفت کو بنیاد بنا کر کسی کی کردار کشی کی۔ بلکہ اختلاف کے باوجود دوسروں کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے البتہ ایسے اصحاب کو خواہ وہ بظاہر رشد و قیادت کے کسی بھی درجے پر فائز ہوں ہرگز معاف نہ کرتے جو انگریز دوست ہوتے تھے یا پھر وہ ایسے آثار و مظاہر گوارا نہ کرتے جن سے شرک فی التوحید یا شرک فی النبوۃ کا پہلو نکلتا تھا۔

وہ روایتی طور پر صوفی نہ تھے۔ لیکن شیخ کی صحبت ضروری سمجھتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آف گولڑہ اور ان کی رحلت کے بعد حضرت عبدالقادر رائے پوری کے ہاتھ پر بیعت کی اور دونوں مرشد اپنے مرید پر فخر کرتے تھے۔ وہ حقیقتاً ایک سیدھے سادے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ان کے ہاں مذہب کی رعونت اور دین کا آزار بالکل نہ تھے۔ اہل اللہ کے سوا کسی سے مرعوب نہ ہوتے۔ قدرت سے بے نیاز طبیعت لے کر پیدا ہوئے تھے اور آخری سانس تک اس پر قائم رہے کوئی شخص اپنے اقتدار یا وجاہت کے بل پر ان سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا تھا۔

شاہ جی نے صحیح معنوں میں درویشانہ زندگی گزاری تمام عمر موٹا جھوٹا پہنا۔ کھدر کبھی ترک نہ کیا۔ پہلے شلوار کرتا پہنتے۔ پھر تہہ بند باندھنے لگے خوراک سادہ کھاتے۔ محلوں اور جھونپڑوں میں مہمان ہوتے لیکن کسی چیز سے رغبت نہ رکھی جو دال بھات ملا کھا لیا۔ چائے البتہ اہتمام سے پیتے۔

اپنے دوستوں سے بڑی محبت تھی کبھی کسی کی غیبت نہ کی۔ دوستوں میں ہر مسلک کے لوگ شامل تھے۔ لیکن سب سے یک گونہ تعلق قائم تھا۔ برصغیر کے ہر سیاسی و مذہبی رہنما سے ان کے مراسم تھے۔ ہر ایک کے بارے میں دو ٹوک رائے رکھتے تھے۔ اگر کسی کے خلاف رائے قائم ہو گئی تو اس میں کینہ یا بغض ہرگز شامل نہ ہوتا۔ نہ کسی سے ذاتی بنیادوں پر انتقام لینے کی فکر کرتے۔

شاہ جی نے چالیس سالہ بھرپور سیاسی زندگی کے نو سال جیلوں میں گزار دیئے۔ مگر شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی سے کبھی کنارہ کش نہ ہوئے۔ یبوست اور خشکی سے انہیں چڑ تھی لطیفہ گوئی اور برجستہ کلامی میں اتنے مشاق تھے کہ سارے برصغیر میں ان کی ٹکر کا ایک آدمی بھی نہ تھا۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی کے ہزاروں شعر، مقولے، حکایات اور لطائف نوک زباں پر تھے اور کارکن ان کی محفلوں میں بیٹھ کر ہر قسم کے غم بھول جایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے۔ لیکن قرآن و حدیث اور سنت نبوی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور صفات سے غایت درجے کی محبت تھی اور اسی محبت نے انہیں فارسی زبان کا بہت اچھا نعت گو بنا دیا تھا۔ وہ سنت نبوی ﷺ کا چلتا پھرتا، جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ بہت ہمدرد ہمسائے، بہت مخلص دوست، ایثار پیشہ قائد اور صحیح معنوں میں مسلمان باپ تھے۔ ایسے لوگ صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک فراموش نہیں ہوتے۔

نبوّت کے گواہ

صحابہ کو برا مت کہو۔ صحابہ کرام مقدمہ نبوت کی مثل ہیں اور یہ تم جانتے ہو کہ جس مقدمے کی مثل ہی غلط ہو اور گواہ جھوٹے ہوں وہ مقدمہ خارج کر دیا جاتا ہے۔

اگر صحابہ کرام پر عدم اعتماد کیا گیا تو یاد رکھو! یہ نبوت پر عدم اعتماد ہو گا۔ اور صحابہ کی تغلیط نبوت کی نفی ہے۔ تمام عقائد موقوف ہیں۔ صحابہ کرام کی عدالت پر۔ خدانخواستہ اگر یہی جھوٹے ہیں تو حضور کی ختم المرسلین معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔ اور میرے نزدیک تو نبوت کے گواہ دو ہی ہیں۔

عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

اور

خالد سیف اللہ المسلول رضی اللہ عنہم،

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس مقدمے میں سرکاری گواہ کی حیثیت تھی۔ کیونکہ وہ حضور کے پہلے ہی سے دوست تھے لیکن یہ دونوں بہادر اور سخت دشمن تھے

اور نبوت کی صداقت پر یقین کر کے شرفِ ایمان حاصل کر گئے۔

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

رحمہ اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com